بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نادِ علیؓ کے بارے میں وضاحت

پبلشرز:

حلقہ چشتیہ صابریہ عارفیہ

ملنے کا پتہ:

۶۷-۶۸ اوورسیز ہاؤسنگ سوسائٹی، بلاک ۷/۸ - کراچی

e.mail: arfeen @ cyber.net.pk

تاریخِ اشاعت

تعداد ــــ (بار اوّل) شوال المکرم ۱۴۱۴ھ اپریل ۱۹۹۴ء ــــ ۱۰۰۰

تعداد ــــ (بار دوم) صفر المظفر ۱۴۱۵ھ جولائی ۱۹۹۴ء ــــ ۱۰۰۰

تعداد ــــ (بار سوم) شوال المکرم ۱۴۱۸ھ فروری ۱۹۹۸ء ــــ ۵۰۰

تعداد ــــ (بار چہارم) شعبان المعظم ۱۴۱۹ھ نومبر ۱۹۹۸ء ــــ ۳۰۰۰

تعداد ــــ (بار پنجم) شعبان المعظم ۱۴۲۰ھ نومبر ۱۹۹۹ء ــــ ۳۰۰۰

تعداد ــــ (بار ششم) رجب المرجب ۱۴۲۱ھ اکتوبر ۲۰۰۰ء ــــ ۲۰۰۰

تعداد ــ (بار ہفتم) جمادی الاوّل ۱۴۲۴ھ جولائی ۲۰۰۳ء ــ ۲۰۰۰

تعداد ــ (بار ہشتم) ربیع الاوّل ۱۴۲۶ھ مئی ۲۰۰۵ء ــ ۲۲۰۰

پیش لفظ

ہمارے ایک محترم قاری نے "نادِ علی" کے متعلق لکھا۔ کیونکہ انہوں نے صدق اور اخلاص سے لکھا اور یہ صدق اور اخلاص ان کی تحریر سے ٹپکتا تھا تو انہوں نے نہایت دردمندی سے لکھا۔ انداز اور اسلوب اُن کا بہت اچھا تھا اور کیوں نہ ہو کیونکہ وہ ایک ریٹائرڈ اعلیٰ فوجی افسر ہیں جن کی زندگی کا ہر شعبہ **Disciplined** ہوتا ہے۔

ہماری پبلیکیشنز جب سے شائع ہو رہی ہیں بفضلہٖ تعالیٰ آج تک ستائش ہی ستائش آئی۔ اعتراض تو کجا کہیں سے استفسار بھی نہیں آیا۔ یہ اُن کی اعلیٰ ظرفی تھی اور ہمارے لئے ہمّت افزائی۔ یہ پہلا موقع تھا کیونکہ صاحب موصوف نے یہ بھی لکھ دیا تھا کہ "آپ میری رہنمائی کریں"۔ میں نے رہنمائی کیا کرنی تھی بہرحال جو کچھ مجھ سے ہو سکا، میں نے پوری محنت اور دیانتداری کے ساتھ اُن کے سامنے رکھ دیا اور اپنی کم علمی کا صاف صاف اعتراف کر دیا کہ اِس موضوع پر اور میرے پاس کوئی مواد باقی نہیں، اِس لئے یہ موضوع میری طرف سے **Closed** سمجھا جائے۔

مجھے یہ خیال آیا کہ شرک کا موضوع ماڈرن سوسائٹی میں خوب فری اِسٹائل میں **Discuss** ہوتا ہے بلا سے کسی کا دین جائے یا ایمان لُٹے۔ اب ہمارا معاشرہ جدیدیت کی وجہ سے مادر پدر آزاد ہو چکا ہے۔ طلباء کو جو اسکولوں

میں دینیات کی تعلیم دینے والے ہیں، اُن میں سے اکثر بچّے دِہریئے ہیں۔ نام محمد دین ہے یا خدا بخش ہے اِس سے کیا بنتا ہے۔ ایک صاحب جب طلباء کو ایڈریس کر رہے تھے تو فرمانے لگے: "God is Dead" اور لڑکوں نے آمنّا وصدقنا کہا۔ کیونکہ ہر بچّے کا پہلا مکتب جو ہے وہ ماں کی گود ہے۔ لیکن جب ماں باپ کے شب و روز کلبوں یا یورپی ممالک کی سیر و سیاحت میں گزرتے ہیں تو پھر یہ پہلا مکتب تو غائب ہوگیا اَب جو باہر کے مکتب ہیں اُن کی میں نے اُوپر مثال دیدی ہے۔ اِسی طرح طالبعلم بھی اُوٹ پٹانگ سوال کرتے ہیں مثلاً:

"سَر! شادی کی کیا ضرورت ہے؟"

اِسی چیز کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے میں اِس خط کو جس کا جواب تیار کرنے میں مجھے دو مہینے لگے ہیں عدم فرصت کی وجہ سے۔ اَب صرف اپنے دینی بہن بھائیوں میں تقسیم کر رہی ہوں تاکہ وہ اس مسئلہ کے بارے میں اپنی معلومات میں اضافہ کریں — اُن کو کوئی فائدہ پہنچتا ہے تو میں ربِّ کریم کی شُکر گزار ہوں گی اور اپنے آپ کو خوش نصیب سمجھوں گی اگر میرا یہ عمل میری نجات کا باعث بن سکا!

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ثُمَّ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ط

بیگم راشدہ صدّیقی
قادری - چشتی - صابری - عارفی
المعروف رابعہ ثانی

نادِ علیؓ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

شروع اللہ کے نام سے جو بخشش کرنیوالا مہربان ہے

نَادِ عَلِيًّا مَظْهَرَ الْعَجَآئِبِ

پکار! علیؓ کو جو آثارِ قدرتِ حق ہے۔

تَجِدْهُ عَوْنًا لَّكَ فِي النَّوَآئِبِ

تُو انھیں مصائب میں اپنا مددگار پائے گا۔

كُلُّ هَمٍّ وَّغَمٍّ سَيَنْجَلِي

عنقریب ہر رنج و غم دُور ہو جائیں گے۔

بِنُبُوَّتِكَ يَا مُحَمَّدُ رَسُوْلَ اللّٰهِ

آپکی نبوت کے طفیل اے محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسُول!

بِوِلَايَتِكَ يَا عَلِيُّ يَا عَلِيُّ

اور آپ کی ولایت کے طفیل اے علیؓ

اِس عمل کے بارے میں اہلِ سُنّت والجماعت میں ایک عام غلط فہمی ہے کہ یہ عمل شیعہ فرقہ کا ہے۔ یہ درست نہیں جس وقت یہ عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام غزوۂ تبوک کے وقت لائے اُسوقت شیعہ فرقہ کا تو نام ونشان تک نہ تھا۔ ہاں اُن کی نادِ علی کا اس نادِ علی کے ساتھ فرق ہوسکتا ہے، ہوا کرے ہمیں اس سے کیا غرض۔ ہم اس عظیم عمل کی برکات سے کیوں محروم رہیں۔ اِس غزوے کی فتح کے لئے ابھی تین بار ہی پڑھا گیا تھا کہ دشمن کو سخت شکست ہوگئی۔ قدم اکھڑ گئے اور میدان سے بھاگ گئے۔ اس فتح میں مسلمانوں کو بہت مالِ غنیمت بھی حاصل ہوا۔ بفضلہٖ تعالیٰ اس کے وظیفہ کرنے والوں نے آج تک اس کو تیر بہدف پایا۔

نادِ علیؓ کے پندرہ ۱۵ فوائد

1. بڑی سے بڑی مہم ودشواری ہو۔ ہر روز 41 بار پڑھے۔ انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلد آسان ہو۔
2. برائے حصولِ مقصد 66 مرتبہ ہر روز تا حصولِ مُراد پڑھے۔ بہت جلد منزلِ مقصود کو پہنچے۔
3. برائے مریض جو زندگی سے مایوس ہوچکا ہو، 7 مرتبہ بارش کے پانی پر دَم کرکے تا صحت پلائے۔ انشاء اللہ تعالیٰ شفا پائے۔
4. خلل جن آسیب وغیرہ کے لئے 15 مرتبہ پانی پر دَم کرکے چھینٹا دے، انشاء اللہ تعالیٰ دفع ہو۔
5. حُبّ کے لئے 47 مرتبہ پڑھ کر اپنے ہاتھوں پر دَم کرکے سارے بدن

پر پھیر لیا کرے۔ جس سے بات کرے مطیع ومسخّر ہو۔

6. کیسا ہی رنج وغم ہو، ہزار بار روزانہ باطہارت پڑھے۔ فضلِ خُدا سے سب غم کافور ہو۔
7. اگر کسی کو کوئی پیغام دے کر بھیجے اور امر دشوار ہو کہ نہ معلوم کہ میرا پیغام منظور ہوگا یا نہیں تو چپکے سے تین بار پڑھ کر اُس کے کان میں دَم کرے انشاء اللہ کامیاب واپس آئے۔
8. اگر کسی پر کوئی تہمت لگائے یا کوئی ملزم کسی الزام میں پکڑا گیا ہو تو تا صفائی 40 مرتبہ ہر روز پڑھ کر اپنے اُوپر دَم کرلیا کرے انشاء اللہ تہمت سے بری ہو۔
9. اگر کہیں سے کسی بات کا یا خط وغیرہ کا جواب منگانا ہو اور نہ آتا ہو تو قبل نمازِ عشاء اُس طرف کو منہ کرکے 65 بار پڑھ کر دَم کرلیا کرے انشاء اللہ تین روز میں جواب آئے یا خبر آئے۔
10. برائے حصولِ دولت وغنا، جاہ وحشم 91 مرتبہ روزانہ بعد نمازِ فجر پڑھ لیا کرے۔ چند روز میں کچھ سے کچھ ہوجائے۔ چاہیئے کہ اسے تازندگی ترک نہ کرے اور وقت اور جگہ کی پابندی اور کہیں ضروری جانا ہو تو مصلّٰی ضرور ساتھ لے جائے۔
11. مزید دولت وجاہ وحشمت کے لئے 500 بار، وقت اور جائے معیّن پر پڑھے، بہت جلد کامیابی ہو۔
12. دشمن کو مطیع کرنا ہو تو اس کا تصوّر کرکے 18 بار پڑھ لیا کرے۔ ہر نماز کے بعد۔

13. کسی مہم کو جلد سے جلد آسان کرنا ہو تو دو رکعت نمازِ حاجت کی نیت سے ہر رکعت میں الحمد شریف کے بعد تین تین بار سُورۂ اخلاص پڑھے اور اُسکا ثواب بروحِ پاک حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ بخشے۔ اسکے بعد 70 بار نادِ علی ؓ پڑھے۔ انشاء اللہ اُسی دن کامیابی ہو ورنہ تین دن یہ عمل کرے۔
14. دشمنوں اور بدخواہوں کی زبان بند کرنے کی نیّت سے ہر نماز کے بعد دس بار پڑھ لیا کرے۔
15. حضور پُرنور سیّد عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا دیدار کرنے کے لئے کامل طہارت کے ساتھ بعد نمازِ عشاء، اوّل و آخر ایک سو بار درود شریف اور پانچسو بار نادِ علی ؓ پڑھے اور باوضو سوجائے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اُسی شب میں دولتِ دیدارِ رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم سے مُشرّف ہو۔

ضروری نوٹ:

1. ہر وظیفہ سے پہلے اوّل و آخر کم از کم گیارہ بار درود شریف پڑھیں۔
2. وظیفہ شروع کرنے سے پہلے کم از کم ایک روپیہ، پانچ روپے یا گیارہ روپے یا اگر صاحبِ ثروت ہو تو اکتیس روپے (اپنی اپنی مالی حیثیت کے مطابق) صدقہ نکال کر کسی محتاج کو ضرور دیں۔ ہٹے کٹے کو نہ دیں۔ صدقہ نکالتے وقت کہیں " الصّدقة ردّ البلا "۔
3. وظیفہ پڑھتے وقت صاف ستھرے کپڑے پہنیں۔ باوضو ہوں اور جس جگہ وظیفہ پڑھا جائے وہ پاک وصاف ہو اور اگر توفیق ہو تو عطر وغیرہ لگائیں۔

4. وظیفہ کے دوران کسی سے ہم کلام نہ ہوں اور اگر بولنا پڑجائے تو وظیفہ دوبارہ شروع کریں۔
5. اگر کسی بیماری کا دَورہ پڑگیا ہے اور وظیفہ کرنے کے قابل نہیں تو وظیفہ جاری رکھے اور اُس دن کا ناغہ آخر میں پُورا کرے۔
6. وظیفہ پڑھنے کا وقت بعد نمازِ عشاء، یا بعد نمازِ تہجد یا فجر کی نماز سے پہلے یا پھر فجر کی نماز کے بعد سُورج جب اچھی طرح طلوع ہوجائے مگر جو وقت مقرّر کیا جائے پھر روزانہ اُسی وقت پڑھا جائے۔ یہ ضروری ہے۔
7. وظیفہ تنہا جگہ پر پڑھا جائے اور کسی سے وظیفہ پڑھنے کا ذکر نہ کیا جائے۔
8. کسی ناجائز حاجت یا کام کے لئے وظیفہ نہ پڑھا جائے۔ ایسا کام جو شریعتِ مقدّسہ کے احکام کے خلاف ہو۔
9. جو صاحب (صاحبِ نصاب ہونے کے باوجود بھی) زکوٰۃ نہ نکالتے ہوں اُنہیں اِس وظیفہ سے کچھ فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔ اِسی طرح جو پنجگانہ نماز ادا نہیں کرتے۔ اُنہیں بھی کچھ فائدہ نہ ہوگا جب تک سچّے دل سے توبہ کرکے نماز شروع نہ کردیں اور اپنے تمام صغیرہ وکبیرہ گناہوں سے بھی سچّے دل سے توبہ نہ کرلیں اور اپنے ماضی کے گناہوں پر سخت نادم نہ ہوں۔
10. اگر خود توبہ نہیں کرتا تو پھر اپنے گھر میں کسی نمازی اور پرہیزگار سے وظیفہ پڑھوائے۔ اُسے کہیں کہ وہ پڑھتے وقت یہ نیّت کرے کہ وہ آپکی طرف سے وظیفہ فی سبیل اللہ پڑھ رہا ہے اور اللہ تعالیٰ سے عرض کرے کہ وہ اپنی رحیمی وکریمی سے یہ وظیفہ قبول فرمالے۔
11. وظیفہ ختم کرکے دعا سجدے میں یوں مانگے: پہلے انتہائی عاجزی وانکساری

اختیار کرے۔ یہ اگر ممکن نہیں تو کم از کم مُنہ ہی عاجزانہ اور گناہگار والا کرے،
سجدے میں تین یا پانچ بار "سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی" پڑھے۔ پھر ایک بار درودِ
ابراہیمی (جو نماز میں پڑھا جاتا ہے) اُس کے بعد اللہ تعالیٰ کی خوب حمد و ثنا
کرے اور اپنی عاجزی و بے بسی کو نہایت بیقراری سے پیش کرے۔ یہ یاد
رکھیں کہ بیقراری کے بغیر دُعا کے قبول ہونے میں دیر ہوجاتی ہے۔ آپ کی
بیقراری اللہ تعالیٰ کی رحمت کو جوش دلاتی ہے۔

(12) اگر وظیفہ سے حاجت پوری نہ ہو تو سات روز کے بعد پھر عمل دُہرا سکتے
ہیں۔ اس طرح آپ تین بار کر سکتے ہیں۔ اگر پھر بھی کامیابی نہیں ہوتی تو
اس کو منجانب اللہ اور اپنا مُقدّر سمجھ کر راضی ہوجائے اور گمان یہ رکھے
کہ اس میں بھی میری بہتری ہے جس کو میں محدود عقل و فہم کی وجہ سے
نہیں سمجھ سکا۔ ایسا کرنے سے وہ آخرت میں اجر و ثواب کا مستحق ہوجاتا ہے۔

(13) اگر کامیابی ہو تو شکرانہ کے طور پر دوبارہ صدقہ شکرانہ نکال کر کسی غریب
کو دے اور پھر سجدۂ شکر ادا کرے۔ سجدے میں پہلے کی طرح عمل کرے۔
حمد و ثنا و عاجزی کرے اور شکرانہ ادا کرے۔

(14) شکرانے کے طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی کسی ایک سُنّت پر (جو اُسے
آسان معلوم ہو) عمل شروع کردے اور کسی ایک نیکی کے کام کو روزانہ
انجام دینا شروع کردے۔

(15) یہ وعدہ کرے کہ اپنے کسی دوست یا گھر کے کسی فرد کو بھی حضور صلی اللہ علیہ
وسلّم کی سُنّت پر عمل کروانے کی کوشش کرے گا اور اُس سے نیکی کا
کام کرنے کا وعدہ بھی لے گا۔

(16) خالی وقت میں حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم پر درود شریف پڑھے گا؛ اور
کم از کم ایک شخص کو محبّت و پیار سے تبلیغ کر کے اُسے بھی درود شریف پڑھنے
پر آمادہ کرے گا۔ اسی طرح اُس شخص سے بھی وعدہ لے کہ وہ بھی کم از کم
ایک شخص کو اس نیک کام کے انجام دینے پر لگائے گا۔

(17) درود شریف پڑھے جو اچھا لگے، اگر وضو ہو تو بہت اچھا ہے اور اگر نہیں ہے
تو مُنہ کلّی سے صاف کرے اور وِرد کرے۔ بعض اصحاب سگریٹ نوشی کرتے
ہیں یا ویسے ہی قدرتی طور پر اُن کے مُنہ میں بدبو ہوتی ہے۔ ایسے اصحاب
مُنہ میں الائچی یا کوئی اور خوشبودار چیز رکھ لیں اور سگریٹ نوشی سے
آہستہ آہستہ نجات حاصل کریں کیونکہ اس سے مہلک مرض کینسر اور اس
کے علاوہ پھیپھڑوں کے مختلف امراض ہوجاتے ہیں۔

(18) انسان کو یہ کبھی بھی نہیں بھولنا چاہیئے کہ جب کوئی پریشانی آتی ہے خواہ
کسی قسم کی بھی ہو تو ربّ کریم کی طرف سے بندے کو اشارہ ہوتا ہے کہ وہ
اپنے اعمال کا محاسبہ کرے کہ اُس پر جو اللہ کے حقوق ہیں اور جو بندوں
کے حقوق ہیں، وہ شریعتِ مقدّسہ کے مطابق ادا کر رہا ہے؟ اگر نہیں کر رہا
ہے تو وہ خدا کا مجرم ہے اور اُسکی مخلوق کا دین دار ہے۔ اُسے اصلاحِ اعمال
کرنی چاہیئے۔ قبل اِس کے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی سخت گرفت میں آجائے۔
جو جان بوجھ کر گناہ کرتا ہے اور اُس پر اصرار کرتا ہے اور پھر یہ بھی سمجھتا ہے
کہ خدا اپنی رحیمی و کریمی کے صدقے میں یا کسی پیر فقیر کا ہاتھ تھامنے سے
اُسے بخش دے گا تو وہ یہ سمجھ لے کہ وہ شیطان کے راستے پر چل رہا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گرامیٔ قدر!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ - آپ کے خطوط مجھے مل گئے تھے۔ "خزینہ نُورالانوار" کی کاپیاں بھیجنے کے لئے میں نے ہدایت کردی تھی۔ اُمید ہے مل گئی ہوں گی۔

"نادِ علی" کے بارے میں آپ نے جو "Cry of Religion in Danger" بلند کی اُس کا تعلق آپ کی اپنی سمجھ اور عقیدے سے ہے۔ اِس کے بارے میں کچھ لکھنے سے پہلے میرے لئے انتہائی ضروری ہوگیا ہے کہ اپنے بارے میں کچھ تعارفی کلمات لکھوں۔ میں ایک یورپین لیڈی ہوں اور اسلام کی نعمت سے سرفراز ہونے سے پہلے میرا مذہب رومن کیتھولک تھا اور وہ بھی انتہائی "Orthodox Faith"۔ یوں کہیئے کہ میں انتہائی کٹر رومن کیتھولک عقیدہ رکھتی تھی۔ آپ میں اور مجھ میں یہ فرق ہے کہ آپ خوش قسمت ہیں کہ جب آپ پیدا ہوئے تو آپ اسلام کی آغوش میں تھے اور یہ نعمت دوسرے مسلمانوں کی طرح آپ کو بھی ورثہ میں ملی۔ میرا معاملہ دوسرا تھا۔ میں محبّتِ رسُول (صلی اللہ علیہ وسلّم) میں گرفتار ہوئی اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلّم) نے اپنے کرم کی گود میں مجھے لے لیا۔ پھر مشاہدہ در مشاہدہ ہوتا چلا گیا اور یوں میرے ایمان کو روز بروز مضبوطی حاصل ہوتی گئی۔ مجھے خاندان کی طرف سے یا کوئی اور مالی پریشانی قطعاً نہ تھی۔ میرے باپ ایک اعلیٰ فوجی افسر تھے اور میں اِکلوتی بیٹی تھی۔ مجھے سب سے اِتنی محبّت ملتی تھی کہ میں اللہ کا شکر ادا نہیں کرسکتی۔ اللہ کے فضل سے مجھے پانچ زبانوں پر عبور ہے جو میں

لکھ سکتی ہوں، پڑھ سکتی ہوں اور رَوانی سے بول سکتی ہوں۔ چھٹی زبان اُردو پڑھ سکتی ہوں، رَوانی سے بول سکتی ہوں پاکستانیوں کی طرح۔ لیکن لکھائی میری کمزور ہے۔ چونکہ میں انتہائی مصروف رہتی ہوں اسلئے اِس کو Improve کرنے کے لئے وقت کم ملتا ہے لیکن کوشش جاری ہے۔ میں نے امریکہ سے جاپان تک کوئی چالیس سے زیادہ ممالک کا ذاتی اور مُطالعاتی دورہ کیا۔ تقریباً تمام مُسلم ممالک دیکھ ڈالے۔ عالموں کی بے شمار کتابیں پڑھیں۔ اُن میں مجھے نکتے ہی نکتے ملے۔ میرے پاس اپنی چھوٹی سی ذاتی لائبریری ہے۔ اِس میں ہر قسم کے کلامِ پاک کے ترجمے، دیوبندی، بریلوی، وہابی وغیرہ وغیرہ کے موجود ہیں۔ اِسی طرح مختلف احادیث کی کُتب بھی (اُردو اور انگریزی) موجود ہیں۔ مختلف فقہ کی کتابیں بھی موجود ہیں۔ مُطالعے کا شوق مجھے شروع سے تھا۔ آج بھی ایک Publishing House کے پاس جب نئی دینی کتابیں یا دوسری معیاری کتابیں آتی ہیں تو وہ ہر ماہ میرے پاس بنڈل بنا کر بھیج دیتے ہیں جن میں جو مفید ہوتی ہیں خرید لیتی ہوں۔ اگر میں یہ کتابیں نہ خریدوں اور مُطالعہ نہ کروں تو میری Death ہوجائے۔

"شرک" کا لفظ اِسلام قبول کرنے کے بعد پہلی بار سعودی عرب میں سُنا۔ میں عُمرے کے لئے گئی تھی۔ وہاں کی پولیس کو دو الفاظ خوب یاد تھے۔ وہ کہتے تھے "شرک شرک" یا پھر کہتے تھے "حرام حرام"۔ اُس کے بعد مجھے ضرورت پیش آئی کہ میں اِس کے بارے میں تحقیق کروں۔ مختلف طرح کی تحریریں سامنے آئیں۔ مختلف علماء (نیشنل Level کے) سے اِس کے

بارے میں اور دوسرے مسائل کے بارے میں خوب خوب باتیں ہوئیں لیکن
میری کوئی تسلی نہ کرسکا۔ کیونکہ علم بغیر مشاہدے کے خشکی ہی خشکی ہے۔
اور جب مشاہدہ ہوجاتا ہے تو پھر بولنے کی ضرورت نہیں رہتی **"Seeing
is Beleiving"**.

شرک کا موضوع ایسا ہے کہ اس پر کتاب لکھی جاسکتی ہے۔ مگر
سوال یہ ہے کہ لکھے کون ؟ اتنا وقت کہاں سے لایا جائے۔

اتنے سالوں میں آپ کا یہ پہلا خط موصول ہوا۔ ہم جو یہ خدمت
کررہے ہیں وہ صرف اپنے دینی بہن بھائیوں کے لئے۔ ہم اپنی کتابیں
اُنہیں ہی بھیجتے ہیں۔ ہم کو پہلے اپنے گھر سے غرض ہے اُسکے بعد پڑوس سے۔
چھاپنے سے پہلے ہم اپنا مسودہ کسی جیّد قومی سطح کے عالم دین کو ضرور
دکھا لیتے ہیں تاکہ اگر کوئی اصلاح طلب بات ہو تو وہ ہماری رہنمائی
کرسکیں۔

اہلسنّت والجماعت میں اس وقت دو ہی بڑے مکتبِ فکر ہیں۔
ایک دیوبندی، دوسرا بریلوی۔

عالی مرتبت حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی رح کی شخصیت اور
بلند مرتبے سے کون واقف نہیں۔ اچھے اچھے علماء نے بھی اُن سے راہنمائی
حاصل کی۔ کوئی اُن کے قول و فعل پر اُنگلی تک نہیں اُٹھاسکا۔ اعتراض
تو دُور کی بات ہے۔ آیئے دیکھیں کہ اُن کے " نادِ علیؓ " کے متعلق کیا
عقائد ہیں۔ دیوبندی، بریلوی سبھی اُن کو مانتے ہیں۔ وہ ایسے باعمل
عالم دین تھے۔ شاہ صاحبؒ کی کتاب 'انتباہ' سے ظاہر ہے کہ وہ اور

اُن کے بارہ اساتذۂ حدیث و پیرانِ سلسلہ " نادِ علیؓ " کی سندیں لیتے اور
پڑھنے کی اجازتیں دیتے اور وظیفہ کرتے۔

اب بریلویوں کی طرف آیئے۔ اُن کے امام فقہ مولانا احمد رضا خاں
بریلوی تھے جنہوں نے ایک ہزار سے زائد کتابیں تصنیف کیں اور اُن کے
فتوے دنیائے عرب تک منگوائے جاتے اور اُن کو بے حد سراہا گیا۔
(بعد ازاں وہابیہ کی حکومت آگئی)۔ آپ نے بھی " نادِ علیؓ " کے فضائل
بیان کئے اور اُنہوں نے اس سلسلے میں حدیث شریف بیان فرمائی جو کہ
آپ شروع میں ہی پڑھ سکتے ہیں۔ اب اُصولاً تو اس حدیث شریف کے
بعد مُسلمان کے دِل میں کوئی شک و شبہ نہیں ہونا چاہیئے مگر بشر بشر ہے
"Ready Reference" کے لئے حدیث دوبارہ درجِ ذیل ہے:

"جس وقت یہ عمل (یعنی نادِ علیؓ کا) حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام غزوۂ تبوک کے وقت
لائے (اُس وقت شیعہ فرقہ کا تو نام و نشان بھی نہ تھا۔)
اُس غزوے کی فتح کے لئے ابھی تین بار ہی پڑھا گیا تھا کہ
دشمن کو سخت شکست ہوگئی۔ قدم اُکھڑ گئے اور میدان سے بھاگ
گئے۔ اِس فتح میں مسلمانوں کو بہت سامالِ غنیمت بھی حاصل ہوا"۔

ضروری نوٹ: " نادِ علیؓ " کے بارے میں ہمیں بے شمار قارئین
نے لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے مسائل کے لئے اس کا وظیفہ کیا اور کامیابی
حاصل کی۔ ستائش کے ساتھ اِس فیضان کو عام مخلوق تک پہنچانے کے
لئے شکریہ بھی ادا کیا۔ آپ کے خط آنے کے بعد میں اس بات کی شدّت

سے منتظر رہی کہ شاید کہیں سے کوئی اعتراض موصول ہو۔ الحمد للہ! ایک خط بھی ایسا موصول نہیں ہوا۔ "نادِ علیؑ" علماء کے پاس بھیجا گیا، دانشوروں کے پاس بھیجا گیا۔ سبھی نے اس کو سراہا اور ہماری ہمت افزائی ہوئی اُنکی اِس کرم فرمائی سے۔

کفار، مشرک اور گمراہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جانی دشمن تھے اُن کو آپ کے وسیلے سے بھی اُتنی ہی نفرت تھی۔ اِسی لئے اللہ تعالیٰ نے "سُورۃ المنافقون" میں اُن کے کرتوت کھول کر بیان فرما دیئے:

"جو لوگ بطور تکبر آپ کی سفارش سے منہ موڑ کر آئے ہیں، اُن کے لئے آپ بخشش مانگیں یا نہ مانگیں برابر ہے۔ میں اُنہیں نہیں بخشنے کا۔"

"اُن کی سوچ یہ ہے کہ بخشنا تو اللہ تعالیٰ کو ہے ہم رسُول اللہ سے کیوں نیازمندی کریں اور اُن کی سفارش اور شفاعت سے کیوں زیرِ بارِ احسان ہوں۔ کیوں نہ ہم براہِ راست اللہ سے معافی مانگیں۔"

"سُورۃ البقرہ" میں ارشاد ہے:

"اور اس سے پہلے وہ اِسی نبی کے وسیلے سے کافروں پر فتح مانگتے تھے تو جب تشریف لایا اُن کے پاس وہ جانا پہچانا اُس سے مُنکر ہو بیٹھے تو اللہ کی لعنت مُنکروں پر۔"

ضروری نوٹ: تفسیر کبیر میں بھی ہے کہ بے شک یہودی لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے اور نزولِ قرآن سے پہلے آپ کے وسیلے سے فتح و نصرت حاصل ہونے کی دُعا مانگتے تھے۔ یا اللہ! نبی اُمّی کے

وسیلے سے ہمیں فتح دے اور ہماری مدد فرما۔

اِن آیات سے صاف پتہ چلتا ہے کہ منافقت کی پہچان یہ ہے کہ بغیر واسطۂ رسُول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارگاہِ خداوندی میں پہنچنے کی کوشش کی جاوے۔

جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پُکارا۔ مدد چاہی۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مدد فرمائی۔ حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ سے روایت ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ ایک رات رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضو فرما رہے تھے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے "لبیک"، "لبیک"۔ "لبیک" تین بار فرمایا اور میں نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تین بار "نُصِرْتَ۔ نُصِرْتَ۔ نُصِرْتَ" (تیری مدد کی گئی) فرماتے سُنا۔ وضو فرما کر تشریف لائے تو میں نے عرض کی۔ یارسُول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے سنا کہ آپ کلام فرما رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی فریاد کرنے والا مجھ سے نُصرت طلب کرتا تھا۔

حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک نابینا شخص آیا اور عرض کی یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے لئے دُعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بینائی عطا فرما دے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا۔ اگر تُو چاہے تو میں دُعا کروں۔ اگر تُو چاہے تو صبر کرے کہ یہ تیرے حق میں بہتر ہے۔ اُس نے عرض کی یا رسُول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ دُعا فرمائیں۔ بس آپ نے اُسے حُکم فرمایا کہ بہت اچھی طرح وضو کر اور یہ دُعا مانگ: "اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں

اور تیری طرف متوجّہ ہوتا ہوں تیرے نبی محمد نبی الرحمۃ کے وسیلے سے۔ یا محمّد میں آپ کے وسیلے سے اپنے رَب کی طرف متوجّہ ہوتا ہوں کہ اللہ آپ کے صَدقے میں میری اِس حاجت کو پُورا فرمائے۔ یا اللہ! تُو ان کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما۔"

(مشکوٰۃ۔ ترمذی۔ ابن ماجہ)

حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر رہتا۔ ایک دفعہ جب کہ میں آپ کے لئے وضو کرنے کے لئے پانی اور ضرورت کی چیزیں لے کر حاضر ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

"اے ربیعہ جو کچھ تو چاہے مجھ سے مانگ لے تاکہ میں تجھے عطا کروں۔" (اِن الفاظ پر غور کریں)

میں نے عرض کی: "میں حضور (صلی اللہ علیہ وسلّم) سے سوال کرتا ہوں کہ جنّت میں اپنی رفاقت عطا فرمادیں۔"

حضور (صلی اللہ علیہ وسلّم) نے فرمایا۔ "اس کے علاوہ کچھ اور بھی چاہتا ہے تو وہ بھی مانگ لے۔" (اِن الفاظ پر بھی غور کریں)

میں نے عرض کی۔ "میری تمنّا تو بس یہی ہے۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ "بس تو میری اعانت کر اپنے نفس پر کثرتِ سجود سے۔"

(صحیح مسلم۔ سنن ابی داؤد۔ سنن ابن ماجہ۔ مشکوٰۃ)

اِضافی نوٹ: آج مسلمانوں کا ایک گروہ تو حدیث کو سرے

سے ہی نہیں مانتا۔ اُن سے صرف یہ دو چیزیں پوچھی جائیں:

(1) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔ یہ لوگ قرآنی نماز اور قرآنی زکوٰۃ ادا کرکے دکھلائیں جس میں حدیث شریف سے قطعاً کوئی امداد نہ لی گئی ہو۔ نماز کُل کتنے وقت کی ہے اور کتنی رکعتیں ہیں؟ زکوٰۃ کتنے مال پر بنتی ہے؟ قرآنی آیات کا حوالہ دیکر بات کریں۔

(2) قرآن نے صرف سُور کا گوشت حرام کیا ہے۔ کُتے، بلی اور گدھے وغیرہ کی حُرمت قرآن میں دکھادیں۔ پھر ان کا گوشت کیوں نہیں کھاتے؟

حدیث شریف میں ہے کہ اعمال کا دار و مدار نیّت پر ہے۔ کوئی اگر حضرت علیؓ کو اللہ کے مساوی جان کر پُکارتا ہے تو وہ شرک کا مرتکب ہے اور اگر وہ حضرت علیؓ کو اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ ولی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا برگزیدہ صحابی جان کر پُکارتا ہے تو وہ حق پر ہے۔ ایسی مدد کی تلقین تو قرآنِ پاک میں بھی کی گئی ہے۔ وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی حمدوثنا کررہا ہوتا ہے جس نے اپنے بندوں کی مدد آڑے وقت میں کرنے کے لئے مافوق الادراک قوتیں عطا کی ہیں۔ اُسی کی دی ہوئی قوّت سے ہی مدد کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو انجیر اور زیتون وغیرہ کی قسمیں کھائی ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم تو فقراء مہاجرین کے وسیلے سے کفّار کے مقابلے کے وقت کفّار پر فتح و نُصرت حاصل ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ سے یوں دُعا مانگا کرتے تھے:

"یا اللہ! ہمیں فتح و نصرت دے اپنے بندوں فقراء و مہاجرین کے
صدقے میں:" یہ تعلیم ہے کہ اولیاء اللہ کا وسیلہ اختیار کیا جائے۔ مشکلات
کے حل کے لئے اور دفعِ مصائب کے لئے اولیائے کرام سے دُعائیں کرائی
جائیں۔ اگر ان کا وجود نہ ہو تو بڑے سے بڑا عالم اسلام کی حقانیت ثابت
نہیں کرسکتا۔ وہ اسلام کے فضائل پر بہترین تقریر کرسکتا ہے۔ اس سے
آگے وہ مجبور ہے۔

ایک روز غوث الاعظمؒ کو ارشاد ہوا کہ محی الدین دین پر سخت وقت
آن پڑا ہے۔ مدد کرو۔ آپ نے بذریعہ کشف معلوم کیا اور فوراً اُس
مقام پر پہنچے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ پادریوں کا ہجوم ہے اور دوسری طرف
بڑے علمائے اسلام ہیں۔ اس میں کافی علماء ایسے تھے جو غوث الاعظمؒ
سے کینہ و بغض رکھتے تھے۔ جب علماء نے آپ کو دیکھا تو سب لپک
پڑے اور اُن کینہ پروروں نے بھی دست بوسی کی اور سب لوگوں
کی جان میں جان آئی۔ آپ نے دریافت کیا۔ ماجرا کیا ہے۔ پادریوں
نے کہا کہ دینی مناظرہ ہورہا ہے۔ ہمارا اُن سے یہ سوال ہے کہ تم کوئی
معجزہ دکھاؤ۔ کیونکہ آپ کے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا ہے کہ میرے
اُمتی عُلماء بنی اسرائیل کے پیغمبروں کے برابر ہوں گے۔ ہمارے نبی کئی
معجزے دکھاتے تھے۔ آپ ایک ہی دکھادیں۔ ہم قائل ہوجائیں گے۔ یہ
فضول دلیلیں دیتے ہیں اور تقریریں کرتے ہیں جس سے کوئی نتیجہ نہیں
نکلتا۔ وقت ضائع ہورہا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ عصر کی نماز کا وقت تنگ
ہورہا ہے، میں پہلے نماز پڑھ لوں پھر آپ کی تسلی کردوں گا۔ مناظرہ دریا

کے کنارے ہورہا تھا۔ آپ نے اُن کے سامنے کندھے سے مصلّے کو اُتار کر
دریا میں پھینک دیا اور پھر خود چل کر مصلّے پر نماز پڑھی اور دُعا مانگی۔ پھر
آپ اُن میں تشریف لائے۔ فرمانے لگے اب کہو کیا بات ہے۔ اُنہوں نے کہا
اب باقی کیا رہ گیا ہے۔ یہ علماءِ اسلام کے فضائل تو بیان کرتے رہے مگر
اسلام کی حقانیت ثابت نہ کرسکے۔ آپ ہمیں مشرّف بہ اسلام کیجئے۔ تمام
پادری اور دیگر عیسائی مجمع سب مسلمان ہوگئے۔

کُرد لوگ پہلے عیسائی تھے۔ اُن کے اسلام لانے کے بارے میں جب
میں نے یہ واقعہ پڑھا تو ایمان تازہ ہوگیا۔ یہ غوث الاعظمؒ کے دستِ مُبارک
پر اسلام لائے۔ عبّاسی خلفاء ان سے بہت تنگ تھے۔ (میں نے ایک
کتاب میں پڑھا تھا کہ اُنہوں نے حضرت عثمانؓ کو بھی بہت تنگ کیا تھا)
آپ کو انہوں نے کہا کہ ان کو دعوتِ اسلام دیں۔ چنانچہ آپ تشریف
لے گئے۔ جب وہاں پہنچے تو کُرد سردار آپ کی شخصیت سے بیحد متاثر
ہوئے۔ انہوں نے کہا کہ ہمارا ایک عالم جو نہ صرف ہمارے دین بلکہ آپکے
دین کی بھی واقفیت رکھتا ہے اگر وہ اسلام قبول کرلیتا ہے تو پھر ہمیں
بھی کوئی تامّل نہیں ہوگا۔ آپ نے فرمایا اُسے بلاؤ۔ جب وہ آیا تو آپ نے
اُسے دعوتِ اسلام دی۔ وہ بولا۔ میں آپ کے نبی کی کافی حدیثوں سے
واقف ہوں۔ آپ کے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا ہے کہ میری
اُمّت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں۔ آپ نے فرمایا:
"ہاں، ہاں یہ ہمارے نبی پاک (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا ہے کیا
تجھے اس میں شک ہے؟"

وہ کہنے لگا۔ بنی اسرائیل کے انبیاء میں سے ایک نبی حضرت عیسیٰ
علیہ السلام ہیں جن کے بارے میں آپ کے قرآن میں درج ہے کہ وہ مُردوں
کو زندہ کردیتے ہیں۔ آپ بھی ایسے نبی کی اُمّت کے ایک عالِم ہیں۔ اگر
آپ کے نبی برحق ہیں اور اُن کا کلام برحق ہے تو کیا آپ کسی مُردے کو زندہ
کرسکتے ہیں؟ اگر آپ کسی مُردے کو مثل عیسیٰ السّلام زندہ فرمادیں تو ہمیں
اسلام قبول کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں ہوگی۔ غوث الاعظمؒ نے فرمایا
کیا اسلام قبول کرنے لئے تمہاری یہی شرط ہے۔

آپ اُسے اپنے ہمراہ قبرستان لے گئے۔ ساتھ میں کُرد قبائل کا بہت
بڑا ہجوم بھی تھا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ کون سا مردہ زندہ کروں۔ وہ
کُرد عالِم آپ کو سب سے پُرانی اور بوسیدہ قبر کے پاس لے گیا اور کہا کہ اِس
قبر کے مُردے کو زندہ کریں۔ آپ نے فرمایا۔ عیسیٰ علیہ السّلام مُردوں کو زندہ
کرتے وقت کہتے: "اللہ کے حُکم سے اُٹھ" اور میں کہتا ہوں "اُٹھ میرے
حُکم سے" یہ فرماکر آپ نے قبر کو ٹھوکر ماری تو قبر پھٹ گئی اور اس میں
سے ایک شخص باہر نکلا اور نکلتے ہی سلام کیا اور کہا کیا قیامت ہوگئی
ہے؟ آپ نے فرمایا۔ ابھی قیامت نہیں ہوئی تمہیں اُٹھایا گیا ہے۔
آپ نے فرمایا۔ اب تم واپس جاؤ تمہیں قیامت میں پھر اُٹھایا جائیگا۔
یہ عظیم الشّان کرامت دیکھ کر تمام کُردوں نے اِسلام قبول کیا۔ (آپ
سُن کر حیران ہوں گے کہ میں نے ایک کتاب میں پڑھا کہ صلاح الدین ایّوبی
کُرد تھا)۔

حضرت عُمرؓ ایک دفعہ خطبہ پڑھتے ہوئے اچانک رُک گئے اور بلند

آواز سے کہا۔ "اے ساریہ! پہاڑ کی اوٹ میں جاؤ، اے ساریہ! پہاڑ کی اوٹ
میں جاؤ"۔ حضرت ساریہ جب لشکر کشی سے واپس آئے تو لوگوں نے
واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں میں نے حضرت عُمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کی آواز سُنی اور میں نے اپنے لشکر کو پہاڑ کی اوٹ میں کرکے دشمن کی زد
سے بچالیا۔ (اب اِس علمِ غیب کو کیا کہا جائے اور اللہ تعالیٰ کے ہوتے ہوئے
اُن کی اِس براہِ راست مدد کو کیا کہا جائے گا؟)

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ میری نعمت کا چرچا کرو۔ انبیائے کرام اور
اولیائے کرام سے اللہ کی نعمت اور نشانیوں میں سے اُن سے مدد لینا یا
مدد کے لئے پُکارنا اور اُن کا باذن اللہ اور اللہ کی دی ہوئی طاقت سے
مدد کرنا اللہ تعالیٰ کی صفت کی تعریف ہے۔ علمِ ظاہر تو علماء سے ہمیں پہنچ
گیا، علمِ باطن ہمیں فقراء سے ملتا ہے۔ یہ علمِ رُوحانیت ہے جو سینہ بہ سینہ
چلا آرہا ہے۔ اِسی لئے کہا گیا ہے کہ ابرار کے سینے رازوں کی قبریں ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضؓ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم کو دو
علوم عطا ہوئے۔ ایک کو ہم نے آپ میں پھیلادیا (یعنی ہر خاص و عام میں)
اور دوسرا علم اگر ہم بتلادیں تو ہمارا گلا کاٹ دیا جائے۔

بعض علمائے حق نے علمِ رُوحانیت حاصل کرکے رُوحانیت میں اعلیٰ
درجہ حاصل کیا۔

اِسی طرح کا ایک واقعہ مجھے پیش آیا۔ جب میں نے پڑھا تو میرے دِل
میں مولانا احمد رضا خان بریلوی کے لئے احترام پیدا ہوا اور اُن کی کتابوں
کا مطالعہ کیا تو دیکھا کہ وہ تو عشقِ رسُول (صلی اللہ علیہ وسلم) میں قولی

طور پر نہیں بلکہ فعلی اور عملی طور پر ڈوبے ہوئے ہیں۔ واقعہ یوں ہے:
سر ضیاء الدین وائس چانسلر علی گڑھ یونیورسٹی ریاضی کے بہت بڑے
اسکالر تھے۔ India میں دو ہی "Wrangler of Mathematics"
ہوئے۔ ایک یہ اور دوسرے عنایت اللہ خان مشرقی مرحوم خاکسار لیڈر۔
سر ضیاء الدین کا ذہن ایک مسئلے میں اٹک گیا۔ لاکھ جتن کئے مسئلہ
حل نہ ہوا۔ آپ آزردہ خاطر ہوئے اور یورپ جانے کے لئے ارادہ کیا تاکہ
وہاں کوشش کی جائے۔ ایک دن اُن کے ایک دوست بھی آئے۔ اور
سر ضیاء الدین نے یورپ جانے کا اُنہیں بتایا اور ساتھ ہی وجہ بتائی تو
اُنہوں نے کہا کہ آپ بریلی میں مولانا احمد رضا خاں سے ملیں وہ حل
کر دیں گے۔ انہوں نے تُرشی سے کہا یہ سائنس کا سوال ہے مولانا لوگوں
کا اس سے کیا کام! اُس دوست نے اُنہیں سمجھایا کہ مولانا احمد رضا خاں دوسرے
علماء سے بالکل الگ ہیں۔ چالیس علوم پر عبور ہے۔ چنانچہ یہ بریلی پہنچے۔ وقت
لیا ہوا تھا۔ اندر گئے۔ مولانا سے علیک سلیک ہوئی۔ آپ نے پوچھا۔
کیا معاملہ ہے؟ آپ نے ہچکچاتے ہوئے اپنا مسئلہ بتایا۔ مولانا نے ایک کاغذ
لیا اور آنِ واحد میں اُس پر اشکال بنائیں اور کہا یہ آپ کے سوال کا
حل ہے اور پھر سمجھایا۔ سر ضیاء الدین تو حیران ہو گئے اور اپنے دوست سے
کہا کہ جب ہمارے ہاں اس شان کے لوگ ہیں تو ہم یورپ کیوں جھک
مارنے کے لئے جاتے ہیں۔ اُن کے ساتھ جو صاحب تھے اُنہوں نے پوچھا
کہ ریاضی سے تو آپ کو دُور کا بھی واسطہ نہیں۔ آپ نے اتنی جلدی
یہ مسئلہ کیسے حل کر لیا۔ وہ کونسی قوّت ہے؟ آپ نے فرمایا یہ میرے آقا

اور مولا حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کا کرم اور صدقہ ہے۔ جب مجھے اس طرح
کی کوئی مشکل درپیش ہوتی ہے تو میں آپ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) سے رجوع
کرتا ہوں۔ آپ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) اُسی وقت جواب عطا فرماتے ہیں اور
میں بتا دیتا ہوں ورنہ میری کیا ہستی مجھے کیا آتا ہے!
مولانا احمد رضا خاں بریلوی رح کی جب وفات ہوئی تو ایک شخص نے
حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کو ایک جگہ کھڑے ہوئے دیکھا۔ اُس نے پوچھا یا رسُول
اللہ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) آپ یہاں پر کھڑے ہوئے ہیں۔ آپ (صلّی اللہ
علیہ وسلّم نے فرمایا۔ میں احمد رضا خاں بریلوی کا انتظار کر رہا ہوں۔ وہ شخص
اٹھا اور سیدھا بریلی پہنچا۔ وہاں معلوم ہوا کہ ٹھیک اُسی روز آپ کا انتقال ہوا
تھا۔ تو جبتک علمِ رُوحانیت حاصل نہیں اسلام کی حقانیت ثابت کرنا مشکل ہے۔
حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ منبعِ ولایت ہیں۔ آپکا سینہ گنجینۂ اسرار
تھا۔ آپ نے فرمایا۔ میں چاہوں تو سُورۃ فاتحہ کی تفسیر سے 70 اُونٹ
بھر دوں۔ سُورۃ فاتحہ میں کُل سات آیات ہیں۔ وہ کونسے علوم و معارف
کے سمندر تھے جو اُن کے باطن کے اندر ٹھاٹھیں مار رہے تھے۔ آپ کی
شانِ ولایت کا یہ عالم تھا کہ آپ نے فرمایا۔ مجھ سے آسمانوں کے راستے
پوچھو میں اُن سے ایسے واقف ہوں جس طرح دُنیا کے راستوں سے۔
آپ فرماتے جب تک میں اپنے رَب کو دیکھ نہیں لیتا اُس کی
نماز نہیں پڑھتا۔

یہاں قرآنِ پاک کی کچھ آیات کا **Reference** دینا بھی مناسب ہوگا:
— آپ کلامِ پاک میں سُورۃ فاتحہ شریف کا مطالعہ کریں گے تو وہاں

"اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ" بھی بندہ کہتا ہے اور اس کے بعد یہ بھی کہ اُن لوگوں کے راستے پر چلا جو تیرے اِنعام یافتہ ہیں۔ جب "صِرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ" کہلایا گیا تو سب کچھ آجاتا ہے تو پھر یہ انعام یافتہ لوگوں کی راہ پر چلنے کی ترغیب کیوں دی گئی؟

—— "سُورۃ یُوسف" میں حضرت یُوسفؑ کے بارے میں ہے کہ اُنہوں نے اپنا کُرتا دیا اور کہا کہ یہ میرا کُرتا میرے والد کی آنکھوں پر ڈالو، اُن کی بینائی لَوٹ آئے گی۔

یہاں تو اُنہوں نے "Absolute Authority" دِکھائی۔ اللہ کا ذِکر تک نہیں کیا اور کُرتے کی کرامت بیان کی۔ اب دیکھیں کہ شریعت کی رُو میں یہ فعل آتا ہے کہ نہیں۔ کیسے آئے! جب اللہ تعالیٰ نے کوئی اعتراض نہیں کیا تو ہم کون ہوتے ہیں۔ اُدھر اُس کُرتے میں یہ کمال کہ بینائی لَوٹ آئے گی اِدھر حضرت یُوسف علیہ السّلام کے کسی دَم درود کی بھی ضرورت نہیں پڑی۔

—— اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ہم نے عیسیٰ بن مریم کو کُھلی نشانیاں عطا فرمائیں اور پاک رُوح سے اُس کی مدد فرمائی تو پھر حضرت عیسیٰؑ کی مدد رُوح القدس سے کیوں کی؟ جب کہ اللہ تعالیٰ براہِ راست سب کچھ کرسکتا ہے۔ وہ فرماتا ہے کہ جب میں کسی چیز کا ارادہ کرتا ہوں تو کہتا ہوں کہ ہوجا اور وہ ہوجاتی ہے۔

—— پھر فرمایا صبر اور نماز سے مدد مانگو۔ اِن کو کیوں وسیلہ بنایا؟

—— فرعون نے کتنی بار موسیٰ علیہ السّلام سے عذاب ختم کرنے کیلئے

عرض کی اور آپ نے ہر بار دعا کی۔ اُن کو کہیں تنبیہہ نہیں کی گئی کہ اس کو کہو کہ مجھے براہِ راست پُکارے اور آپ کو وسیلہ نہ بنائے نیز یہ کہ آپ اِس کے لئے دُعا کیوں کرتے ہیں جب کہ وہ شِرک کرتا ہے اس کے برعکس اللہ تعالیٰ ہر دفعہ دُعا قبول فرماتے ہیں اور عذاب ٹل جاتا ہے۔

—— حضرت جبرئیل علیہ السّلام، حضرت مریم علیہا السّلام کے پاس تشریف لاتے ہیں اور کہتے ہیں۔ میں اللہ کا بھیجا ہوا ہوں کہ میں تم کو سُتھرا بیٹا دوں۔

یہاں جبرئیلؑ کہتے ہیں کہ میں تجھے سُتھرا بیٹا دوں۔ جبرئیلؑ وسیلہ بنے۔

—— اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السّلام کی قوم کو فرماتا ہے کہ اِس شہر میں داخل ہوتے وقت سجدہ کرو اور سجدے میں یہ کہو "حِطَّةٌ حِطَّةٌ" تو اُن کے گناہ معاف ہوں گے۔ آپ دیکھیں کہ اُس جگہ کو یہ شَرف کہ انسان سجدہ کرے، معافی مشروط ہے۔

—— موسیٰ علیہ السّلام کی قوم نے پانی مانگا تو آپ نے اللہ کے حُکم سے زمین پر لاٹھی ماری اور بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں یہ نہیں کہا کہ انہوں نے پانی مجھ سے براہِ راست کیوں نہیں مانگا۔

—— قرآنِ کریم میں ہے کہ عیسیٰ علیہ السّلام نے فرمایا کہ میں اللہ کے حُکم سے مُردوں کو زندہ، اندھوں اور کوڑھیوں کو اچھا کرسکتا ہوں۔ مٹی سے بنے ہوئے بے جان پرندوں کو پھُونک مار زندہ بنا سکتا ہوں۔ جو کچھ اپنے گھر میں کھاؤ یا بچاؤ بتا سکتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام اہم اُمور میں حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو شریک کرلیا۔

— حضرت سُلیمان علیہ السّلام کتنی دُور تھے۔ جب وہ اپنے لشکر کے ساتھ جارہے تھے اور چیونٹیوں کے سردار نے چیونٹیوں کو خبردار کیا۔ آپ نے اُس کی آواز اتنی دُور سے سُنی (حالانکہ یہ تو اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت ہے مگر حضرت سُلیمانؑ اس میں شریک ہوئے طاقت ملنے پر) آپ نے اُس کی آواز اتنی دُور سے سُن لی۔ حالانکہ چیونٹی کی آواز ویسے بھی بہت دِھیمی ہوتی ہے۔

— اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "نشان یہ ہے کہ تمہارے پاس صندوق آویگا جس میں تمہارے رَب کی طرف سے دِل کا چَین ہے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں معزّز موسیٰؑ اور معزّز ہارونؑ کے ترکے کی کہ اُٹھائے لائیں گے اُسے فرشتے"۔

رَب تعالیٰ نے یہ صندوق بنی اسرائیل کو عطا کیا تھا جس میں حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی پگڑی، حضرت ہارون علیہ السّلام کی نعلین شریف وغیرہ تھے اور اُنہیں حُکم تھا کہ جنگ میں اُسے اپنے سامنے رکھیں، فتح ہوگی۔ اُوپر والی آیۃ میں یہ واقعہ مذکور ہے (اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کے تبرّکات اُن کی وفات کے بعد دافع البلاء ہیں)۔

دِل کے چَین کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "آگاہ رہو دِل کا چَین اللہ کے ذکر میں ہے"۔ اُدھر لکڑی کے تابوت میں بھی دِل کا چَین ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے فرمایا: "اچھا جا تیری سزا دُنیا کی زندگی میں یہ ہے کہ تُو کہتا پھرے گا کہ چھُو نہ جانا اور بے شک تیرے لئے ایک وعدے کا وقت ہے جو تجھ سے خلاف نہ ہوگا"۔

حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے یہ بَددُعا سامری جادوگر کو دی کہ جا، تیرے جسم میں یہ تاثیر پیدا ہوجائے گی کہ جس سے تُو چھُوجاویگا تو اُسے بھی بخار آجاوے اور تجھے بھی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور وہ لوگوں سے کہتا پھرتا تھا کہ مجھے کوئی نہ چھُونا۔ اور فرمایا کہ یہ تو دُنیا کی سزا ہے اور آخرت کی سزا اِس کے علاوہ ہے۔

اب اگر دیکھا جائے تو یہ خُدائی اختیار ہے تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السّلام کی بَددُعا کیوں قبول کی۔ (ظاہر ہے کہ اِس سے اللہ تعالیٰ کو اپنے نبی کی عظمت وقوت اور اختیار دکھانا ہے جو اِس نے عطا کئے ہیں)۔

"اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی تعظیم دِل کی پرہیزگاری (تقویٰ) ہے" اور پھر فرمایا۔ "صفا و مروہ اللہ کی نشانیاں ہیں"۔

اِس کی مثال دے کر مفہوم واضح کردیا پھر تقویٰ کی اہمیّت واضح کی کہ میرے نزدیک تم میں سے وہ بڑا ہے جو تقویٰ میں بڑھ کر ہے۔

اگر ہم شرک کو اس زاویئے سے سمجھنے لگیں تو اسلام کا سارا ڈھانچہ دھڑام سے گر جائے گا اور یہی سمجھا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنا خلیفۃ الارض تو بنایا لیکن اُس کو کوئی "Powers Delegate" نہیں کیں۔ صرف مٹّی کا مادھو ہے اور اُس کے برعکس اُس کے دشمن شیطان

کو کتنی بڑی طاقت دی کہ قرآن میں ارشاد ہے کہ وہ اُس کی ذُرّیّت ہم کو
دیکھتی ہے مگر ہم اُنہیں نہیں دیکھ سکتے۔

ہمیں اہلُ اللہ کی طاقتوں کو ماننا پڑے گا۔ جہاں اللہ والوں کا گُزر
ہو جاتا ہے یا جس جگہ گزر ہو جاتا ہے وہ جگہ تاقیامت نزولِ رحمت کی
جگہ بن جاتی ہے۔ یہی حال تاریخوں اور دنوں کا ہے۔ منیٰ میں حضرت
آدم علیہ السّلام کی توبہ قبول ہوئی۔ عرفات میں حضرت حوّا سے مُلاقات
ہوئی۔ مزدلفہ میں حضرت آدم علیہ السّلام نے بعد توبہ قیام فرمایا۔ منیٰ میں
حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کی قُربانی
کی۔ صفا و مروہ میں حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پانی کی تلاش میں
بار بار دوڑتی تھیں۔ حجرِ اسود کو کعبہ شریف میں نصب کیا گیا جو جنّت سے
لایا گیا۔ جہاں حضرت ابراہیم علیہ السّلام کعبہ کی تعمیر کے وقت کھڑے ہوگئے
اُس کو مقامِ ابراہیمؑ کہا جاتا ہے اور وہاں نماز کے لئے حاجیوں کو حُکم ہے۔
پھر حاجیوں کو صفا و مروہ پر اُسی طرح دوڑنا پڑتا ہے جس طرح حضرت ہاجرہ
دوڑی تھیں۔

مومن پر مومن کی مدد فرض ہے تو جب کوئی کسی سے مدد چاہے گا تو
مدد کو پُکارے گا۔ جب پُکارے گا ہی نہیں تو اس کو خبر کیسے ہوگی اور وہ
مدد کو کیسے آئے گا۔ کئی سالوں کی بات ہے' ایک عالمِ دین کی اپنے رشتہ داروں
سے لڑائی ہوگئی۔ یہ باہر تھے تو اُنہوں نے باہر سے غالباً اپنے لڑکوں اور حمائتیوں
کو پُکارنا شروع کر دیا۔ وہ بھی پہونچ گئے اور تھوڑی سی مار پیٹ کے بعد
بیچ بچاؤ ہو گیا۔ میں نے کار روکی اور بہت غور سے سارا منظر دیکھتی رہی۔

مولوی صاحب نے کئی نام مدد کے لئے پُکارے مگر کہیں اللہ کو نہیں پُکارا۔
"This was a Text-book Lesson for me" اور مجھے اِس بات کا
کہ "Those who Preach don't Practice" کا عملی ثبوت مل گیا
حالانکہ وہ اچھے اور باعزّت عالِم تھے۔

اب جب آپ نے نقطہ اُٹھایا اُس کے بارے میں اپنے عقائد اور
خیالات لکھے دیتی ہوں۔ میں یہ لمبا خط ہرگز نہ لکھتی (نہ میرا اِس طرف
رُجحان ہے اور نہ ہی وقت' ہم تو "Worker" ہیں) لیکن آپ نے یہ لکھ کر
کہ راہنمائی کروں مجھے باندھ دیا ہے۔ میں نے راہنمائی کیا کرنی تھی۔ میں تو اب
تک طالبِ علم ہوں۔ ہاں اپنے خیالات و عقائد کا اظہار کیا ہے۔ اِس سے
آپ اتّفاق کریں یا نہ کریں۔ یہ آپ کا حق ہے اور یہی میرا حق ہے۔ شِرک
کے معنی کیا ہیں؟ لغوی معنی حصّہ یا ساجھا ہیں۔ لہٰذا شِرک کے معنی ہیں
حصّہ دار یا ساجھی۔ شِرک کی حقیقت رَبّ تعالیٰ سے مساوات پر ہے۔
دوسرے لفظوں میں یہ کہ جب تک کسی کو رَبّ کے برابر نہ مانا جائے تب
تک شِرک نہ ہوگا۔ جب تک بندے کو رَبّ تعالیٰ کے ساتھ برابر نہ مانا
جائے۔ شِرک نہیں ہو سکتا۔ کفّار بُتوں کو رَبّ تعالیٰ کے مقابل اُن صفتوں
سے موصوف کرتے تھے۔ مومن رَبّ تعالیٰ کے اِذن سے اللہ کا بندہ جان کر
مانتا ہے۔ عُلماء نے جو بے شمار قسم کے شِرک گِنائے ہیں (اور تعداد بڑھتی
جا رہی ہے) اِس میں کسی کی خیر نہیں۔ نہ آپ کی نہ ہماری اور نہ قرآن کی
کہ اِس میں پھر ہر جگہ شِرک ملے گا بلکہ (نعوذ باللہ من ذالک) یہ تاثّر
ملنے کا خطرہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شِرک کو "Encourage" کر رہا ہے۔ اگر

صرف لُغوی معنی لیں گے تو پھر دائرہ بہت تنگ ہوجائے گا۔ سُورۂ یُوسف میں یُوسف علیہ السّلام نے 'رَبّی' کا لفظ عزیزِ مصر کے لئے کہا۔ اللہ کریم بھی رَب ہے۔ فعل کا ترجمہ فاعل کی حیثیت کے مطابق کیا جائے گا۔ یہاں معنی پرورش کرنے والے کے ہیں کیونکہ نسبت عزیزِ مصر سے ہے نہ کہ اللہ سے۔

ہم اپنی "Publications" کو چھپنے سے پہلے کسی "National Level" کے عالِم دین سے "Okayed" ضرور کروالیتے ہیں تاکہ اگر کوئی اعتراض والی بات ہو تو ہم چھپنے سے پہلے ہی "Sort out" کرلیں۔

میری نظر سے کئی کتابیں اِس بارے میں گذریں مگر مجھے علاّمہ اَبُوالحسّان حکیم محمّد رمضان علی قادری قریشی (سندھ میں کسی جگہ خطیبِ جامع مسجد بھی ہیں) کی ایک تصنیف پڑھنے کا اتّفاق ہوا۔ ماشاء اللہ نہایت معقول، مدلّل اور صِدق و اخلاص سے لکھّی ہوئی ہے۔ اُس کے اقتباس درج ذیل ہیں کہ شاید آپ کو اس میں کوئی فائدہ ہو اور مجھے ثوابِ دارین حاصل ہو:

"سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلّم کے ارشادات واضح ہیں کہ اولیاء اللہ کے وسیلہ سے تمہیں رِزق دیا جاتا ہے۔ بارش نصیب ہوتی ہے۔ دشمنوں کے مقابلے میں تمہاری نصُرت کی جاتی ہے اور اولیائے کرام کے صدقہ میں اُن کے وسیلہ سے تمہاری حیات و موت وابستہ ہے اور زمین قائم ہے۔ اس مضمون کی روایات صحیح بخاری، مُسلم اور مشکوٰۃ کے علاوہ دیگر کتب

حدیث میں موجود ہیں۔

پس جس طرح کاروبارِ دُنیاوی کے سلسلہ میں ہم اسباب و ذرائع ظاہری کے محتاج ہیں۔ اِسی طرح اولیائے کرام (قدسنا اللہ تعالیٰ باسرارہم) کے وسیلہ کے بغیر چارہ نہیں اور جب اسباب و ذرائع اور وسائلِ دنیاوی اختیار کرنا شرک نہیں تو تمام مخلوق کے اصل وسیلہ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کا وسیلہ اختیار کرنا کیونکر شرک ٹھہر سکتا ہے؟

اور جب کہ نفع و نقصان کی نسبت اسباب و ذرائع اور وسائل دنیوی کی طرف روزمرّہ کی جاتی ہے اور شرک کا شائبہ تک نہیں ہوتا تو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اور اولیائے کرام کی نسبت کِس دلیل سے شرک قرار دی جاسکتی ہے۔ حالانکہ مادّی اسباب و ذرائع اور وسائل دنیاوی عموماً تجرباِت کی رُو سے اختیار کئے جاتے ہیں اور نفع و نقصان کی نسبت ان کی طرف منسوب کی جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ اِس میں خطا و غلطی کا احتمال بھی پایا جاتا ہے مگر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اور اولیائے عظام (قدسنا اللہ تعالیٰ باسرارہم) کا وسیلہ اختیار کرنے میں خطا و غلطی کا احتمال ہی نہیں تو پھر ان نفوسِ قدسیہ کی طرف نفع و نقصان کو مجازاً منسوب کرنے کو شرک اور ناجائز کہنا جہل و نادانی اور بدعقیدگی نہیں تو اور کیا ہے خصوصاً جب کہ اِس نسبتِ مجازی کا استعمال قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔

خوب ذہن نشین کرلینا چاہیئے کہ کسی کام یا امر کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو نسبتِ حقیقی مُراد ہوتی ہے اور وہی کام یا امر جب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام یا کسی ولی اللہ یا مخلوق میں سے کسی کی طرف

منسوب ہوتا ہے تو اس سے نسبتِ مجازی مقصود ہوتی ہے۔

قرآن مجید میں عموماً تین قسم کی نسبتیں پائی جاتی ہیں:

(1) عبد کے فعل کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف۔

(2) اللہ تعالیٰ کے کسی فعل کی نسبت عبد کی طرف۔

(3) ایک ہی کام کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف بھی اور عبد کی طرف بھی۔

تفصیل اس اجمال کی ملاحظہ ہو:

1 - قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ (الانفال: ۱۷)

ترجمہ: تو تم نے انھیں قتل نہ کیا بلکہ اللہ (تعالیٰ) نے انھیں قتل کیا۔

اس آیۃ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے فعل کو اپنا فعل قرار دیا ہے۔ بدر کے میدان میں کفّار کے خلاف جہاد کرتے ہوئے صحابۂ کرام (رضی اللہ عنہم) نے اپنے ہاتھوں کفّار کو قتل کیا۔ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں مگر اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے قتلِ کفّار کے فعل کی نسبت اپنی طرف فرمائی۔ پس اگر نسبتِ حقیقی اور نسبتِ مجازی کے فرق کو نظر انداز کر دیا جائے تو ظاہری الفاظ پرست وہابی اس آیت کا صحیح مطلب کیا بیان کرے گا؟

آیا اس آیۃ کے ظاہری معنیٰ کے لحاظ سے کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ صحابہ (رضی اللہ عنہم) کے بجائے خود اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں تلوار وغیرہ لے کر بدر کے مقام پر کفّار سے جنگ کی اور انہیں قتل کیا۔ ظاہر ہے کہ آیۃ کے یہ ظاہری معنیٰ مُراد نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ بظاہر اگرچہ تم

نے کفّار کو قتل کیا مگر چونکہ تم ذاتی قوت و اختیار کے مالک نہیں اور نہ ہی تم اپنے افعال کے خالق ہو۔ پس اگر کفّار تمہارے ہاتھوں قتل ہوئے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے تمہیں قوت بخشی اور فعلِ قتلِ کفار کو میں نے خلق فرمایا تو کفّار تمہارے ہاتھوں مقتول ہوئے اور میری مدد سے تم نے کفّار پر قابو اور غلبہ پایا۔ تفسیر جلالین میں ہے: فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ بِبَدْرٍ بِقُوَّتِكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ (بِنَصْرِهٖ اِيَّاكُمْ)۔

معلوم ہوا کہ فاعلِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کے افعال و صفات کا صدور و ظہور مخلوقات کے ذریعہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جو کام جس سے لینا چاہتا ہے بطورِ آلہ کے لیتا ہے۔ پس میدانِ بدر میں قتلِ کفّار کا فعلِ الٰہی صحابۂ کرام علیہم الرّضوان کے ذریعے وقوع پذیر ہوا۔ فافہم وتدبّر!

اسی ذیل میں دوسری آیۃ مُبارکہ ملاحظہ ہو:

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (پ: ۹۔ س: الانفال - رکوع: ۲) ترجمہ: "اور (اے محبوب!) وہ خاک جو تم نے پھینکی، تم نے نہ پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی"۔

اس آیۃ میں اللہ تعالیٰ نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کے فعل کو اپنا فعل قرار دیا ہے۔ تفسیر جلالین میں ہے:

"ومارمیت (یا محمّد اعین القوم) اذ رمیت (بالحصیٰ لانّ کفًا من الحصا لایملأ عیون الجیش الکثیر برمیۃ بشر) ولکنّ اللہ رمیٰ۔ (بایصال ذالك الیھم) حاشیہ۔ یعنی: انّ الرمیۃ التی رمیتھا انت لم ترمھا انت علی الحقیقۃ لانّك لو رمیتھا لما بلغ اثرھا الّا ما یبلغہ اثر

رمی البشر ولکنّھا کانت رمیۃ اللہ حیث اثرت ذالک الاثر العظیم و
فی الآیۃ بیان انّ فعل العبد مضاف الیہ کسباً والی اللہ تعالیٰ خلقاً۔"
(بحوالہ تفسیر مدارک)

یعنی اے میرے محبوب! کفّار لشکریوں کی آنکھوں میں خاک اور کنکریاں
تم نے نہیں پھینکیں۔ تم نے ان کی آنکھوں میں نہیں ڈالا۔ اس لئے کہ ایک
مشت کنکریاں اگر کوئی بشر پھینکے تو مٹھی بھر خاک اور کنکریوں سے ایک بڑے لشکر
کی آنکھیں بھر نہیں سکتیں۔ پس یہ خاک اور کنکریاں اللہ تعالیٰ نے پھینکیں
یہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے مٹھی بھر خاک اور کنکریوں کو کفّار لشکریوں کی
آنکھوں تک پہنچایا جس سے اُن کی آنکھیں بھر گئیں اور بند ہوگئیں۔ غرضکہ
خاک اور کنکریوں کو جو آپ نے پھینکا ہے۔ یہ پھینکنا حقیقتاً آپ کا پھینکنا
نہیں۔ اس لئے کہ اگر آپ پھینکتے تو جہاں تک بشر کے پھینکنے کا اثر پہنچتا ہے،
وہیں تک، اس پھینکنے کا اثر پہنچتا مگر چونکہ آپ کے اس پھینکنے کا اثر عظیم ہوا،
لہٰذا یہ پھینکنا اللہ تعالیٰ ہی کا پھینکنا ہے۔ اس آیۃ میں اس کا بیان ہے
کہ بندے کے فعل کی بندے کی طرف اضافت (نسبت) از روئے کسب کے
ہے اور بندے کے فعل کی اللہ تعالیٰ کی طرف (نسبت) از روئے خلق فعل
کے ہے" کذا فی المدارک۔

اب اسی مضمون کی تیسری آیۃ بھی ملاحظہ ہو:
قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ: فَاِذَا قَرَاْنٰہُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَہٗ ۝ (پ: ۲۹- القیٰمۃ: ۱۸)
ترجمہ: تو جب ہم اسے پڑھ چکیں اس وقت اس پڑھے ہوئے کی
اتباع کرو۔

تفسیر جلالین: فَاِذَا قَرَاْنٰہُ (عَلَیْکَ بقرأۃ جبرئیل) فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَہٗ
(ستمع قرأتہ)۔ اِس آیۃ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السّلام
کی قرأۃ کو اپنی قرأۃ قرار دیا ہے۔ جبرئیل کے قرآن پڑھنے کو اللہ تعالیٰ نے
اپنی طرف منسوب فرمایا اور فرمایا کہ اے میرے محبوب! جب میں قرآن
پڑھوں تو آپ خاموشی سے سُنا کریں۔ اِس آیۃ میں بھی بندے کے فعل
کی نسبت بندے کی طرف از روئے کسب فعل کے ہے اور یہ نسبت نسبتِ
مجازی اور بندے کے فعل کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف از روئے خلق فعل
کے ہے اور یہ نسبت، نسبتِ حقیقی ہے۔

2۔ اللہ تعالیٰ کے فعل کی نسبت بندے کی طرف:
قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ: قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّکِ ۖ لِاَھَبَ لَکِ غُلٰمًا
زَکِیًّا ۝ (پ: ۱۶- مریم: ۱۹) ترجمہ: جبرئیل علیہ السّلام نے حضرت مریم علیہا السّلام
سے فرمایا، "میں تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں کہ میں تجھے ستھرا بیٹا دوں"۔
اِس آیۃ مبارکہ میں حضرت جبرئیل علیہ السّلام نے بیٹا دینے کی نسبت
براہِ راست اپنی طرف فرمائی حالانکہ جبرئیل علیہ السّلام کو حقیقتاً بیٹا دینے
کی قدرت نہیں، یہ اللہ تعالیٰ ہی کی شان ہے۔ اگر نجدیہ وہابیہ کے اصول
کو صحیح سمجھا جائے تو ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں شرک بھرا ہے اور
جبرئیل علیہ السّلام نے اللہ تعالیٰ کی شان اور صفت کو اپنی طرف منسوب
کر کے شرک کیا (نعوذ باللہ منہا) نیز یہ ظاہر پرست اللہ تعالیٰ کے متعلق
کیا کہتے ہیں جس نے جبرئیل کے اِس طرح کہنے کو رَد نہ فرمایا بلکہ قرآن مجید
میں ذکر فرمایا۔

تفسیر جلالین: قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ۝ ای لاکون سببًا فی ھبتہ۔ کہا: "میں تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں کہ میں تجھے ستھرا بیٹا دوں۔ یعنی بیٹے کی عطا کا میں سبب ہوں۔" اس آیۃ میں فعلِ الٰہی کی نسبت وسیلہ اور سبب کی طرف ہے۔ جیسے یوں کہا جاتے: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹا دیا۔ سرکارِ دوعالم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے فضل سے میں غنی ہوگیا یا یوں کہا جائے کہ حضور غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھے دولت بخشی، میرے پیرو مُرشد نے میری مدد فرمائی تو اس طرح کہنا آیۃ قرآن کے مُطابق صحیح و درست ہوگا نہ کہ منکرین کے خانہ ساز اصول کے مطابق کُفر و شرک۔

ہاں اگر کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی ولی اللہ کی طرف یا مخلوق میں سے کسی کی طرف بھی نسبتِ حقیقی کا عقیدہ رکھے اور انھیں فاعل و متصرّفِ حقیقی یا مختار بالذّات مستقلاً جانے تو یقیناً کفر و شرک لازم آئے گا۔ مگر ظاہر ہے کہ کوئی مسلمان اہلِ سنّت و جماعت یہ عقیدہ نہیں رکھتا تو معلوم ہوا کہ منکرین خواہ مخواہ بہتان بازی اور الزام تراشی کرکے انہیں مشرک ٹھہراتے ہیں جو کہ سراسر ظلمِ عظیم ہے۔

دوسری آیۃ مُبارکہ ملاحظہ ہو:

"کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ" (پ:۱۳۔ ابراھیم: ۱) ترجمہ: ایک کتاب ہے (یہ قرآن شریف) کہ ہم نے تمہاری طرف اُتاری کہ تم لوگوں کو (کفر کی) اندھیریوں سے (ایمان کے) اُجالے میں لاؤ۔

واضح رہے کہ کُفر کے اندھیرے سے نکالنا اور ایمان کے اُجالے میں لانا اللہ تعالیٰ کا فعل اور اُس کی صفت ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب محمّد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی طرف منسوب فرمایا ہے معلوم ہوا کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلّم کو اللہ تعالیٰ نے کفر سے نکالکر ایمان میں لانے کی قدرت عطا فرمائی ہے اور حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی طرف اس فعل کی نسبت مجازی ہے۔ ازروئے کسب کے حقیقتاً اللہ تعالیٰ ہی کُفر سے نکال کر ایمان میں لاتا ہے۔

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (پ:۳۔ البقرۃ: ۲۵۷) پس اللہ کی طرف نسبت حقیقی ہے۔ ازروئے خلق کے۔ فلامنافاۃ۔

اس ضمن میں مندرجہ ذیل آیات میں غور کریں:

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ (پ:۲۱۔ السجدۃ: ۱۱) ترجمہ: تم فرماؤ تمہیں وفات دیتا ہے موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر ہے۔

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ (پ:۱۴۔ النحل: ۳۲) ترجمہ: اللہ ایسا ہی صلہ دیتا ہے پرہیزگاروں کو وہ جن کی جان نکالتے ہیں فرشتے ستھرے پن میں۔

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: اَلَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ (پ:۱۴۔ النحل: ۲۸) ترجمہ: وہ کہ فرشتے ان کی جان نکالتے ہیں۔ اس حال پر کہ وہ اپنا بُرا کر رہے تھے۔

اِن آیات میں اللہ تعالیٰ کے فعل قبض ارواح کو ملک الموت حضرت عزرائیل علیہ السّلام اور اس کے ماتحت ملائکہ کی طرف نسبت دی گئی ہے حالانکہ آیتِ مبارکہ " اَللّٰہ یتو فی الانفس حین موتھا " سے واضح ہے کہ جانداروں کی موت کے وقت اللہ تعالیٰ ہی انکی جانوں (ارواح) کو قبض فرماتا ہے۔ اب غور کا مقام ہے کہ ایک ہی فعلِ قبضِ ارواح کے منسوب الیہ بظاہر علیحدہ علیحدہ چار ہیں۔

ایک آیت سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ قبض ارواح فرماتا اور وفات دیتا ہے اور دوسری آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ مَلک الموت یعنی عزرائیل علیہ السّلام قبض ارواح فرماتا ہے اور تیسری آیت سے واضح ہے کہ نیکوکار اور متقین کی ارواح کے قبض کرنے والے بہت سے فرشتے ہیں اور چوتھی آیت سے ظاہر ہے کہ ظالموں کی ارواح کو قبض کرنے والے بہت سے ملائکہ ہیں۔ پس اگر ظاہر بین وہابیہ کے خانہ ساز اصول کے مُطابق ہر جگہ نسبتِ حقیقی ہی مُراد لی جائے تو معاذ اللہ قرآن مجید میں تعارض واقع ہوتا ہے یعنی آیاتِ قرآن میں اختلافِ کثیر ثابت ہوتا ہے جو کہ از روئے قرآن مجید محال ہے۔ قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ : لَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا ○ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے کلامِ الٰہی ہونے پر یہ دلیل ارشاد فرمائی کہ " اگر یہ قرآن غیر اللہ کا کلام ہوتا تو اس میں اختلافِ کثیر پایا جاتا۔" (النّساء : ۸۲)

آپ دیکھ رہے ہیں کہ وہابیہ کے اصول سے قرآن مجید میں اختلافِ کثیر ہونا ثابت ہو رہا ہے۔ حالانکہ حقیقتاً قرآن مجید میں قطعاً تعارض و

اختلاف نہیں ہے۔ یہ صرف منکرین کی سمجھ کا قصور اور ان کے اصولِ باطلہ کا فتور ہے۔ سچ فرمایا : اللہ تعالیٰ کے محبوب دانائے غیوب رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے کہ "یقرؤن القرآن لایجاوز حناجرھم" (بخاری و مسلم) یہ لوگ قرآن پڑھیں گے مگر ان کے حلق سے نیچے نہیں اُترے گا۔

پس بات دراصل وہی ہے کہ اِن آیات میں ایک ہی فعل قبضِ ارواح کے منسوب الیہ اگرچہ چار ہیں مگر نسبتوں کا فرق ہے جس آیۃ میں فعل قبضِ ارواح اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہے اس سے نسبتِ حقیقی مُراد ہے کہ اللہ تعالیٰ قابضِ ارواح ہے حقیقتاً اور جن آیات میں فعلِ قبضِ ارواح ملائکہ سے منسوب ہے اس سے نسبتِ مجازی مقصود ہے یعنی ملائکہ قابضِ ارواح ہیں باذن اللہ مجازاً۔ اللہ تعالیٰ خالقِ فعل اور ملائکہ کاسبِ فعل ہیں اور پھر ملک الموت عزرائیل علیہ السّلام کی نسبت فعل قبض ارواح اِس لحاظ سے ہے کہ تمام جانداروں کی رُوحوں کا قبض کرنا ملک الموت کا ہی کام ہے اور ملائکہ ملک الموت کے ماتحت، مددگار اور وسائط ہیں اس لئے ملائکہ کی طرف بھی فعل قبض ارواح کی گئی۔ پھر ملک الموت کے ماتحت مددگار ملائکہ دو قسم پر ہیں :

(1) نیک بندوں کی ارواح قبض کرنے والے ملائکہ، جو اُن کی شان کے مُطابق نیک برتاؤ کرتے ہیں۔

(2) کفّار و منکرین اور ظالمین کی روحوں کو قبض کرنے والے ملائکہ جو نہایت ڈراؤنی صورتوں میں نہایت سختی اور عذاب کے ساتھ پیش

آتے ہیں۔ تفسیر جلالین میں ہے:

"قل یتوفکم ملك الموت الذی وکل بکم (ای بقبض ارواحکم)

حاشیہ: واعلم ان اللہ اخبر ھٰہنا ان ملك الموت ھو المتوفی والقابض وفی موضع انہ الرسل ای الملٰئکۃ وفی موضع انہ ھو اللہ تعالیٰ فوجہ الجمع بین الای ان ملك الموت بقبض الارواح والملٰئکۃ اعوان لہ یعالجون ویعملون بامرہٖ واللہ تعالیٰ یزھق الروح فالفاعل لکل فعل حقیقۃ والقابض الارواح جمیع الخلائق ھو اللہ وان ملك الموت واعوانہ وسائط" تفسیر رُوح البیان میں بھی یہی مضمون ہے۔

ترجمہ: تم فرماؤ تمہیں وفات دیتا ہے موت کا فرشتہ جو تم پر مقرّر ہے یعنی ارواح کو قبض کرنے پر مؤکل ہے اور جاننا چاہیئے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ ملک الموت وفات دینے اور رُوح قبض کرنے والا ہے اور ایک جگہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے فرشتے وفات دیتے اور قبض ارواح کرتے ہیں' اور دوسری جگہ فرمایا کہ وفات دینے والا اور رُوح قبض کرنے والا خاص اللہ تعالیٰ ہے۔ پس ان آیات میں مطابقت اِس طرح ہے کہ ملک الموت (حضرت عزرائیل علیہ السّلام) قبض ارواح کرتا ہے' اور فرشتے قبض ارواح میں اس کے مددگار ہیں جو اس کے حکم کے تحت عمل کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ رُوح کو نکالتا ہے۔ پس درحقیقت ہر فعل کا فاعل اور جملہ خلائق کی ارواح کا قبض کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے اور مَلَکُ الموت اور اس کے مددگار ملائکہ (فعلِ الٰہی کے ظہور اور حکمِ الٰہی کے نفاذ کے لئے) وسائط یعنی واسطے ہیں۔

(3) ایک ہی فعل کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف بھی اور عبد کی طرف بھی۔ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ (پ: ۱۰- التّوبۃ: ۷۴) ترجمہ: انہیں کیا بُرا لگا یہی نا کہ اللہ اور اُس کے رسُول (صلّی اللہ علیہ وسلّم) نے انہیں اپنے فضل سے غنی کر دیا۔

اِس آیۃ مُبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے غنی کرنے اور فضل کی نسبت اپنی طرف بھی فرمائی اور حضرت محمّد رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی طرف بھی۔ معلوم ہوا کہ یہ عقیدہ رکھنا کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم غنی کرتے اور فضل وکرم فرماتے ہیں' فرمانِ الٰہی قرآن مجید کی تعلیم کے عین مطابق ہے نہ کہ نجدیہ وہابیہ کے کہنے کے مطابق شِرک وکُفر! کہ منکرین کا اِس طرح کہنا نصِّ قرآن کے خلاف ہے۔ پس ثابت ہوا کہ منکرین کے اصول خانہ ساز، مَن گھڑت' فضول اور قطعاً باطل ہیں کہ یہ لوگ حسبِ فرمانِ نبوی (صلّی اللہ علیہ وسلّم) قرآن پڑھتے تو ہیں مگر قرآن مجید کو سمجھنے کا شعور نہیں رکھتے۔ یہ ظاہر بین لوگ نسبت کے فرق کو نہ سمجھنے کی وجہ سے گمراہی کا شکار ہوگئے حالانکہ بات وہی سیدھی سی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے غنی فرماتا ہے۔ حقیقتاً بالذّات اور حضور سرورِ دوعالم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اپنے فضل سے غنی فرماتے ہیں بعطاء اذنِ الٰہی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف نسبتِ حقیقی ہے اور حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی طرف نسبتِ مجازی ہے بحیثیت واسطہ وسیلۂ اعظم ہونے کے۔

اِس ضمن میں دوسری آیۃ مبارکہ ملاحظہ ہو:

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ

وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ○ (پ: ۱۰ - التوبة، ۵۹) ترجمہ: اور کیا اچھا ہوتا اگر وہ اس پر راضی ہوتے جو اللہ اور رسُول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان کو دیا اور کہتے ہمیں اللہ کافی ہے۔ اب دیتا ہے ہمیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اور اُس کا رسُول۔ ہمیں اللہ ہی کی طرف رغبت ہے۔

اِس آیۃ میں بھی فضل و عطا کی نسبت اللہ تعالیٰ کے ساتھ ساتھ حضرت محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھی فرمائی گئی ہے مگر منکرینِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضل اور آپ کی عطا پر عقیدہ نہیں رکھتے اور حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے فضل و عطا پر راضی نہیں ہوتے لہٰذا اُن کو چاہیئے کہ اپنی قرآن فہمی کا ماتم کریں۔ اپنے ایمان کی خیر منائیں اور قرآن مجید کے مطابق صحیح عقیدہ رکھنے والے اہلسنّت والجماعت کو مشرک ٹھہرانے سے باز آئیں یا پھر اپنی سابقہ گستاخیوں پر نادم ہوکر توبہ و استغفار کرکے کسی مردِ حق، بندۂ مومن کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرکے قرآن مجید کی صحیح تعلیم حاصل کریں تاکہ قرآن اُن کی سمجھ میں آسکے اور وہ فیوض و برکاتِ قرآن سے مستفید ہوسکیں۔

تیسری آیۃ مبارکہ ملاحظہ ہو:

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ (پ: ۲۲ - الاحزاب، ۳۷) ترجمہ: اور اے میرے محبوب یاد کرو جب تم فرماتے تھے اُس سے جسے اللہ نے نعمت دی اور تم نے اُسے نعمت دی ــــ اِس آیۃ مبارکہ میں نعمت دینے کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی

طرف بھی فرمائی اور اپنے محبوب محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھی۔

مندرجہ بالا تینوں آیات سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ مخلوق پر فضل و کرم فرماتا ہے۔ ہر نعمت عطا فرماتا ہے۔ غنی فرماتا ہے اور حضور سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی فضل و کرم فرماتے ہیں۔ ہر نعمت عطا فرماتے ہیں اور غنی فرماتے ہیں مگر فرق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ کرتا ہے بالذّات، مستقلاً حقیقتاً اور حضرت محبوبِ خُدا احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء بحیثیت خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ اور رابطہ اور وسیلۂ اعظم ہونے کے مجازاً بہ عطاء و اذنِ الٰہی۔ والحمد للہ علی ذالک والعاقل تکفیہ الاشارۃ۔

واضح رہے کہ قرآن مجید میں اِس طرح کی نسبتیں بکثرت ہیں اور احادیث میں بھی۔ مگر مضمون کی طوالت کے خوف سے اِسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ اُمید ہے کہ ناظرین بخوبی سمجھ گئے ہوں گے کہ ایک بات جب اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہو تو اس سے نسبتِ حقیقی مُراد ہوتی ہے اور جب اِسی بات کی نسبت حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام یا اولیاء اللہ (قدسنا اللہ باسرارہم) یا مخلوق میں سے کسی اور کی طرف تو اس سے نسبت مجازاً ہوتی ہے۔ اگرچہ کلام میں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ ہو۔"

آخر میں اتنی عرض ہے کہ جو کچھ میرے ناقص علم میں تھا وہ میں نے آپ کے دسترخوان پر رکھ دیا ہے۔ اگر یہ کسی کام آجائے تو یہ میری خوش بختی ہے اور اگر نہ بھی آئے تو بھی مجھے اطمینان ہے کیونکہ میں اتنی مصروفیات کے باوجود یہ سب کچھ دیانتداری سے لکھ کر اپنے آپ کو

فرض سے سبکدوش سمجھتی ہوں اور چونکہ اب اس موضوع پر میرے پاس کچھ کہنے کے لئے مزید باقی نہیں ہے لہٰذا میری طرف سے اِس موضوع کو "Closed" سمجھا جائے۔ آپ اندازہ نہیں کرسکتے کہ میری کتنی مصروفیات ہیں لیکن میں نے اِس کو اللہ کا کام جان کر شروع کیا۔ پہلے دو صفحے لکھے تو طبیعت خراب ہوگئی۔ کراچی میں ایک عجیب فلو پھیلا جو بیس یا پچیس روز میں جاکر ٹھیک ہوتا تھا۔ ہم بھی گرفتارِ بلا ہوگئے اُسکے بعد References دیکھنا پڑتی ہیں۔ اُس کے مطابق تھوڑا تھوڑا لکھتی رہی مگر رمضان المبارک میں کام کی Speed بہت کم ہوجاتی ہے۔ الحمدللہ اب کام مکمل ہوگیا اور یہ امانت آپ کے سپرد ہے۔ اگر اس کے پڑھنے سے آپ کی کسی قسم کی دل آزاری ہو تو معذرت خواہ ہوں وہ نادانستہ ہے اور میرے بس سے باہر! مجبوریاں اور معذوریاں سب جگہ ہوتی ہیں تقریر میں بھی اور تحریر میں بھی۔

آپکا عید کارڈ ملا۔ اس مبارک موقع پر آپکی یادآوری کی شکرگزار ہوں۔

والسّلام مع الاحترام، بیگم راشدہ صدیقی

المعروف رابعہ ثانی